درسِ حدیث: ''إنما الأعمال بالنیات....''

خطاب: حضرت مولانا فضل الرحمٰن دامت برکاتہم
ضبط وترتیب: مولوی محمد ارشاد، متخصص جامعہ

''یکم رجب المرجب سن ۱۴۴۷ھ بروز پیر قائدِ جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم (سرپرست وفاق المدارس العربیہ پاکستان) جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی تشریف لائے، اور جامعہ کے دارالحدیث میں حدیث ''إنما الأعمال بالنیات'' کا درس اکابر کی تشریحات کی روشنی میں نہایت ملیح انداز میں دیا، جس کو افادۂ عام کی غرض سے تحریری صورت میں پیش کیا جارہا ہے۔''

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على أشرف الأنبياء والمرسلين نبينا محمد وآله وأصحابه وأزواجه وأهل بيته وذرّيّاته وأتباعه أجمعين إلى يوم الدين، أما بعد!

انسان اور اُس کے احساسات

شعور: اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قویٰ عطا کیے ہیں، اس میں تدریج ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو شعور کے ذریعے سے وہ اشیاء کا اِدراک کرتا ہے۔ سب سے پہلے وہ ماں کو پہچانتا ہے پھر ابوین کو، پھر بعد الولادۃ اس کے اندر شعور ہے بھوک کے احساس کرنے کا، خوشی کے احساس کرنے کا، اسی طرح غم اس کو محسوس ہوتا ہے، خوف محسوس ہوتا ہے، اور اپنی خاص حرکتوں سے وہ اپنی ماں کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے، لیکن اس شعور کے ذریعے مکمل اِدراک انسان کا خاصہ نہیں۔ بہرحال! تمام حیوانات ولادت کے بعد بچپن میں اسی شعور کے تحت اشیاء کا (کسی قدر) اِدراک کرتے ہیں۔

حواسِ خمسہ

جب انسان آگے بڑھتا ہے تو پھر وہ حواسِ خمسہ کے ذریعے سے اِدراک کرتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ

نے انسان کے چہرے میں جمع کر دیا ہے۔ اس میں آپ آنکھوں سے دیکھتے ہیں، اشیاء کا ادراک کرتے ہیں، رنگوں کو پہچانتے ہیں۔ اسی طریقے سے آپ کان سے (قوتِ سماعت سے) اِدراک کرتے ہیں، آوازوں کو پہچانتے ہیں، اچھی اور بری آواز میں تمیز کرتے ہیں۔ زبان کے ذریعے (قوتِ ذائقہ کے ذریعے) آپ اِدراک کرتے ہیں چیزوں کا کہ یہ میٹھی ہے، تلخ ہے، کڑوی ہے، نمکین ہے، اسی طرح جو بھی اس کا مزہ ہوگا وہ زبان چکھ لے گی، سمجھ لے گی، پہچان لے گی۔ ناک کے ذریعے (قوتِ شامہ) اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہے، جو چیزوں کو اس طور پر پہچانتی ہے کہ یہ کس چیز کی بو ہے؟ اسی طریقے سے آپ کا جو بشرہ (کھال) ہے، وہ احساس کرتا ہے کہ مجھے جو چیز لگی ہے، یہ ٹھوس ہے یا نرم ہے، ٹھنڈی ہے یا گرم ہے، تو ان احساسات کے ذریعے سے آپ اشیاء کا ادراک کرتے ہیں اور ان کی صفات کا اِدراک کرتے ہیں۔

عقل: جب انسان بالغ ہوجاتا ہے تو پھر عقل وہ قوت ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا کی ہے، جس سے وہ پوری کائنات کو پہچانتا ہے۔ عقل ہی اِدراک کی وہ قوت ہے جو تمام حیوانات سے انسان کو ممتاز بنا دیتی ہے۔ عقل نے وہ وہ کرشمے دکھائے کہ آج بھی دنیا سمجھتی ہے کہ ابھی تک ہم نے عروج حاصل نہیں کیا، مزید عروج حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ انسانیت اور اس کی نئی ایجادات، نئی تحقیق، نئے انکشافات، نئی سائنس، نئی ٹیکنالوجی اسی عقل کا عروج ہے۔ اور اسی حوالے سے انسان سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا''[1] جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے سب کچھ کے نام بتا دیے، اب محض نام کا بتانا شاید کسی اِفادیت کا حامل نہ ہو، تاوقتیکہ ان ناموں کے ساتھ اس کے اوصاف بھی معلوم نہ ہوں، یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی افادیت کتنی ہے؟ اس کا نقصان کتنا ہے؟ اور منفعت کیا ہے؟ مضرت کیا ہے؟ اور پھر منفعت کے حاصل کرنے کے طریقے کیا ہیں؟ مضرت کے دور کرنے کے طریقے کیا ہیں؟ یہ ساری چیزیں جب حاصل ہوتی ہیں، تب ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا''[2] کا مقصد پورا ہوتا ہے۔[3] اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ساری چیزوں کا علم حضرت آدم علیہ السلام کو عطا کر دیا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بنی آدم کے اندر اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں کے ادراک کرنے کی استعداد رکھی ہے، تو یہ جو دنیا ہے، علمی ترقی ہو رہی ہے، اور نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں، یہ انسان ہی کا خاصہ ہے۔

البتہ اگر کچھ امتیازات اور خصوصیات ان انسانوں میں ہیں تو پھر اس میں مسلمان خاص ہیں، جیسا کہ قرآن میں ہے کہ: ''اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ''[4] اب قرآن ایک خاص قسم کا علم ہے، جو اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو قیامت تک کے لیے دیا اور جو منبع ہے ساری انسانیت کی ہدایت کا، جس میں تمام علوم کے اصول ملتے ہیں، لیکن قرآن پر ایمان رکھنے والا تو صرف مسلمان ہے تو اس خصوصی علم کا جو انعام ہے، وہ بھی حضرت

انسان میں سے صرف حضرت مسلمان کو عطا کر دیا گیا ہے۔

مسئلہ ختمِ نبوت اور سیاست

اور اس کے اعتبار سے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ تھے کہ قرآن کریم میں آپ کو ''خاتم النبیین'' کہا گیا ہے۔ اب ''خاتم النبیین'' تو اللہ تعالیٰ نے کہہ دیا کہ: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' اس ''خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' کے لوگ کیا کیا معنی کریں گے، ہمیں اس سے کیا؟ ہمیں تو اس معنی اور شرح سے تعلق ہے جو رسول اللہ ﷺ نے خود کیا، فرمایا کہ: ''أنا خاتم النبيين لا نبيَّ بعدي''، (۷) ختم ہوگئی بات۔

اب یہاں پر میں اپنے دوستوں کے سامنے ہمیشہ یہ بات کہتا رہتا ہوں، اور مولوی صاحبان کو لگتی بھی بڑی عجیب سی ہے کہ جب لفظ ''ختمِ نبوت'' آتا ہے تو کہا جاتا ہے کہ ''ختمِ نبوت'' غیر سیاسی عنوان ہے اور یہ سیاست سے اور تمام اختلافات سے بالاتر ہے۔ ''ختمِ نبوت'' کے موضوع پر آؤ جلسہ کرتے ہیں، مظاہرے میں بیٹھتے ہیں، وغیرہ، وغیرہ۔ لیکن میں ان کو کہتا ہوں کہ رسول اکرم ﷺ نے اپنی ''ختمِ نبوت'' کا ذکر سیاست کے ساتھ کیا ہے، فرمایا: ''كانت بنو إسرائيل تسوسُهم الأنبياءُ، كلَّما هلك نبيٌّ خَلَفَهُ نبيٌّ، وإنهُ لا نبيَّ بعدي، وسيكون خلفاء فيكثرون''، (۸) تو نبی علیہ السلام نے تو اپنی ''ختمِ نبوت'' کا ذکر سیاست کے ساتھ کیا ہے اور ہم سیاست سے اس کو لاتعلق کر دیتے ہیں۔

طالب علم اور سیاست

اور سیاست کے ساتھ آج کل ہمارے مولویوں کے، طلبہ کے اور مدرسوں کے تعلق سے اس حد تک تو میں متفق ہوں کہ طالب علم دوران تحصیلِ علم کے ''عملِ سیاست'' نہ کرے، لیکن ''علمِ سیاست'' تو ضروری ہے کہ اپنی تاریخ کو سمجھے، جغرافیہ کو سمجھے، مختلف علاقوں کے لوگوں کی تہذیب کو سمجھے، ان کے وسائلِ آمدن کو سمجھے، اور مطالعہ کرے اس بات کا کہ دنیا اگر مجتمع ہے تو ان کے بیچ میں کیا نظام ہونا چاہیے؟!

مسلمان اور دنیا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایک جیسا پیدا نہیں کیا، لیکن انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے ایک بہت بڑا مقام عطا کیا ہے: ''وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا''، (۹) یعنی کہ بنی آدم کو اللہ تعالیٰ نے شرفِ انسانیت عطا کیا ہے، اور بحر و برّ پر ان کو سوار کیا ہے، ان کو حاکمیت عطا کی ہے، اور پاک رزق ان کو عطا کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کی

نعمتوں کا مقابلہ آخرت کی نعمتوں کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''اللہ کی رحمت کا سو میں سے ایک فیصد اللہ تعالیٰ نے زمین پر بھیجا ہے اور ننانوے فیصد اللہ نے اپنی رحمت اپنے پاس محفوظ رکھی ہے۔''(۱۰) وہ ایک فیصد رحمت انسانوں میں بھی، حیوانات میں بھی، یہاں تک کہ نباتات میں بھی، جمادات میں بھی تقسیم ہوگئی ہے، اور جہاں بھی دیکھیں تو آپ کو رحمت کے کوئی نہ کوئی نقش نظر آئیں گے، علامات نظر آئیں گی، جب یہ اللہ تعالیٰ کی ایک فیصد رحمت ہے تو آخرت میں کیا ہوگا؟ حدیث میں آتا ہے کہ: ''آپ دریا میں انگلی ڈبوئیں، سمندر میں انگلی ڈبوئیں اور پھر نکالیں، آپ کی انگلی پر کیا تری ہوگی، یہ دنیا ہے اور وہ آخرت۔''(۱۱)

اس فرق میں تو کوئی اختلاف نہیں، لیکن جس طرح ہم زہد وورع، اور تقویٰ کی تعریفیں کرتے ہیں اور یہ کہ دنیا سے دور رہو، نہ بالکل صاف لباس پہنو، نہ خوبصورت بنو، اور نہ صفائی کرو، ان چیزوں کی طرف ترغیب دینا، یہ کب شریعت کا تقاضا ہے؟ اللہ رب العزت تو یہ فرماتے ہیں: ''قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ''(۱۲) یہ تمام نعمتیں اور دنیا کی زینت وطیبات یہ تو اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے پیدا کی ہیں، اس سے استفادہ کرنا قرآن کا تقاضا ہے، اتنے بھی صوفی مت بنا کرو، تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عزت سے دنیاوی نعمتیں عطا کیں ہیں، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ مومنین کے لیے ہیں، البتہ دنیا میں کافر بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں، اور ''خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ'' کہ قیامت میں یہ نعمتیں صرف اور صرف آپ کے لیے ہیں۔

اب ایک طالب علمانہ سوال ہوگا کہ مشاہدہ تو اس کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمادیا کہ میں نے یہ مومنین کے لیے پیدا کی ہیں، لیکن آج جو ہم مشاہدہ کررہے ہیں تو کفر کی دنیا ان تمام نعمتوں کی حامل ہے اور مسلمان محروم ہیں، تو اس بات کو بھی ہمارے اکابر نے سمجھایا ہے کہ ''قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا'' یعنی ''ان لوگوں سے کہیں جو ایمان لائے'' تو رشتۂ ایمان جتنا مضبوط ہوگا، اتنا ہی آپ کو ان دنیا کی نعمتوں کے اوپر حق ہوگا، ورنہ پھر کفر کی دنیا اس پر قبضہ کرلے گی، اس لیے آج اگر کافر کے ہاتھ میں تمام نعمتیں ہیں تو کچھ کمزوری ہماری بھی ہے کہ ہمارا ایمان کمزور ہوگیا ہے، قرآن سے رشتہ ہمارا کمزور ہوگیا ہے، آپس میں ہم ایک دوسرے سے لڑ رہے ہیں، اور یہی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ''اُمتِ مسلمہ کے زوال کے سبب دو ہیں: ایک قرآن سے دوری اور دوسرا باہمی اختلافات۔'' ہم باہمی اختلاف تو کرتے ہیں، لیکن باہمی اختلاف پر ہمارے مابین کوئی تردُّد نہ آئے، یا پھر اس میں خونریزی نہ ہو، اس میں نفرتیں نہ ہوں۔ اب یہ دو چیزیں جب آگئی ہیں تو اس کا حل یہ ہے کہ قرآن سے رشتہ مضبوط ہو، ایمانی قوت مضبوط ہو، ورنہ پھر اپنے حق

سے بھی محروم ہوگی۔ تو ہم مسلمان جو آج پوری دنیا سے بھیک مانگ رہے ہیں، یہ درحقیقت ہمارا حق ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ اٰمَنُوْا'' تو اس اعتبار سے وحی کو سمجھنا ضروری ہے۔

وحی

اب عقل بہت بڑی نعمت ہے۔ عقل نے انسان کو ترقی کے عروج پر پہنچایا ہے اور عقل رہنمائی کا بہت بڑا ذریعہ ہے، سب سے بڑا ذریعہ ہے، لیکن کافی نہیں ہے، اس لیے کہ عقل کبھی کبھی معطل ہو جاتی ہے، متاثر ہوتی ہے۔ محبت غالب آ گئی، عقل معطل۔ غضب غالب آ گیا، عقل معطل۔ شہوت غالب آ گئی، عقل معطل۔ کبھی انسان سے وہ کچھ صادر ہو جاتا ہے کہ بعد میں پھر ندامت پر مجبور ہو جاتا ہے، تو اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے آخری رہنمائی ہماری وحی کے ذریعے سے کی، جس میں تغیر کا کوئی امکان نہیں۔ اب عقل اور وحی کی جو نسبت ہے، اس کو یوں سمجھنے کی کوشش کریں کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے آنکھیں دی ہیں اور اس میں اللہ نے بصیرت رکھی ہے۔ دیکھنے کی پوری قوت آنکھ کے اندر ہے، بینائی ہے اس کے اندر، لیکن اگر خارجی روشنی نہیں ہے، قوت نہیں ہے، یا لائٹ بجھ گئی ہے، یا کمرہ بند ہے، تو باوجود اس کے کہ بینائی کی قوت مکمل محفوظ ہے، لیکن اب آپ کو کچھ نظر نہیں آ رہا، کیونکہ خارجی روشنی نہیں ہے، جس سے آپ کی آنکھیں کام کر سکیں۔ تو وحی کی رہنمائی جب تک نہیں ہوگی، عقل مار کھائے گی۔ اسی وحی کی اہمیت کو ہم سمجھنا چاہ رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ایسی نعمت ہے، ایک ایسی رہنمائی ہے کہ جس میں انحراف کی کوئی گنجائش نہیں۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ پر وحی کی رہنمائی مکمل ہوگئی، اس کے بعد کوئی وحی نہیں ہوگی، نبی نہیں آئے گا، اگرچہ خلفاء آئیں گے۔

کتاب الإیمان سے آغاز

بہرحال! امام بخاریؒ نے آغاز تو ''كتاب الوحي'' سے کیا، لیکن شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: کتاب کا آغاز بھی ''كتاب الإيمان'' سے ہے اور انجام بھی ''ایمانیات'' پر ہے کہ آخر کتاب میں ''كتاب التوحيد'' ہے، اس طور پر کہ تمام اعمال کا مدار آپ کے عقیدے کے اوپر ہے۔ اگر ایمان ہے اور اللہ کی وحدانیت پر ایمان ہے، تب جا کر اعمال قبول ہوتے ہیں، ورنہ اس کے علاوہ اعمال کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ اور یہ جو ''كتاب الوحي'' ہے، یہ بمنزلہ مقدمہ کے ہے، تو اس اعتبار سے ''كتاب الوحي'' کو جب ہم بطور مقدمہ کے دیکھیں گے، اور اس کے بعد ہم جائیں گے ''كتاب الإيمان'' کی طرف، اور پھر عام طور پر جو ایمان کے بعد نماز کا ذکر ہے، صلاۃ کا ذکر ہے، تو ''كتاب

الصلاۃ ‘‘ ہونا چاہیے، یہاں ایسا نہیں، بلکہ ’’کتاب العلم ‘‘ سے شروع کیا کہ جب تک علم نہیں ہوگا آپ کو نماز کا پتا کیسے چلے گا؟ اور پھر ویسے بھی نماز سب سے مقدم چیز ہے، لیکن کتاب کا آغاز کبھی بھی ہم ’’کتاب الصلاۃ ‘‘ سے نہیں کرتے، بلکہ ’’کتاب الطهارۃ ‘‘ بھی تو دیکھتے ہیں، کیونکہ طہارت تو دارومدار ہے، وہ بمنزلہ شرط کے ہے اور ’’صلاۃ ‘‘ بمنزلہ مشروط کے، اور مشروط بغیر شرط کے کبھی بھی موجود نہیں ہوسکتا، تو اس اعتبار سے ’’ کتاب الوحي ‘‘ کو بمنزلہ مقدمہ کے ذکر کیا گیا ہے اور ابتدا ’’کتاب الإيمان ‘‘ سے کی گئی ہے، اور پھر آخر میں ’’ کتاب التوحید ‘‘، اور اس کے ’’۵۸ ‘‘ ابواب میں آخری باب، ’’باب: قول اللہ تعالیٰ: وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ. وأن أعمال بني آدم وقولهم يوزن. وقال مجاهد: القسطاس، العدل بالرومية، و يقال: القسط مصدر المقسط، وهو العادل، وأما القاسط فهو الجائر. ‘‘ اور آخر میں پھر یہ ہے کہ آپ نے آٹھ سال جس مجلس میں گزارے ہیں، اور نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ مجلس سے اُٹھنے سے پہلے جو تسبیح وتحمید کرلے، تو اس دوران کی جتنی کمی بیشی ہوگئی ہے، اللہ تعالیٰ سب کو معاف کردیتا ہے، تو آخر میں فرمایا: ’’کلمتان حبیبتان إلی الرحمٰن، خفیفتان علی اللسان، ثقیلتان في المیزان: سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم ‘‘

اجازتِ حدیث

جو میرے اساتذہ تھے وہ تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے آگے حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ تک ان کا سلسلہ جاتا ہے، اور یہی آپ کو بھی یہاں اساتذہ بتاتے ہیں۔ اور ایک سند جو مجھے حاصل ہے، وہ حضرت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہٗ کی ہے، جو مظاہر علوم سہارنپور میں پڑھاتے تھے، انہوں نے بھی مجھے ایک شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ میرے اکابر کی تشریحات کو سامنے رکھتے ہوئے حدیث پڑھایا کرو، تو میرے اکابر کی تشریحات وہ آپ کے بھی مدنظر ہونی چاہئیں۔ اور سند پر بھی اعتماد ہوتا ہے، اور سند شریعت میں بھی ہے، سند طریقت میں بھی ہے، سند سیاست میں بھی ہے، اسی طرح سند نسب میں بھی ہے کہ کس کے بیٹے ہو، کس کے پوتے ہو، کس کے پڑپوتے ہو، یہ باعثِ فخر ہے، اور اس کا خیال نا کرنا، اور اس کو خراب کرنا اس پر وعید آئی ہے، تو تشریحات جو ہیں اس میں بھی سند ہے۔ آج کے زمانے میں ایسے ایسے نئے نئے قسم کے اسکالر پیدا ہوتے ہیں، جو شریعت کی ایسی تشریح کرتے ہیں کہ جو آج مغرب کے لیے بھی کام کرتی ہے، لیکن اس کی زبان بڑی شستہ، چرب زبان، بڑی خوبصورت گفتگو کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ مولوی صاحبان تو پرانی باتیں کرتے ہیں، لیکن وہ نئے انداز سے بات کرنا ہی

درحقیقت گمراہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اپنے اکابر پر اعتماد ہونا چاہیے، جنہوں نے آج تک اتنی بڑی تعداد میں آپ جیسے علماء کرام، فضلاء کرام دیے ہیں، اور جہاں تک یہ احادیث آپ کو پہنچی ہیں تو ظاہر ہے کہ ان حضرات کی محنت کے نتیجے میں آپ کو پہنچی ہیں کہ اگر بظاہر متضاد حدیثیں آجاتی ہیں، متصادم آجاتی ہیں، تو ان میں تطبیق پیدا کرنے کے طریقے کیا ہیں؟ اگر تطبیق پیدا نہیں ہوسکتی تو پھر ترجیح کس کو دی جائے؟ اس کے طریقے کیا ہیں؟ اگر ترجیح کی بھی کوئی صورت نا ہو تو پھر تنسیخ کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ یہ سارے اصول وطریقے اُصولِ حدیث میں ہمارے اکابر نے بیان کیے ہیں اور ہم نت نئی اور خوبصورت قسم کی گفتگو پر مرمٹتے ہیں، چاہے وہ درست ہی نہ ہو۔ تو اپنے اکابر پر اعتماد کریں اور ان کی تشریحات کی روشنی میں حدیث کو آگے پڑھائیں، جنہوں نے اپنے اکابر پر اعتماد کر کے ان کی تشریحات کے مطابق حدیث پڑھائی، میں عاجز کی طرف سے ایک طالب علم کی ان کو اجازت ہے، ورنہ اس کے بغیر اجازت نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين

حواشی وحوالہ جات

١-سورة البقرة، آية: ٣١

٢-أيضا

٣- ملاحظہ ہو: أبو الفداء عماد الدين إسماعيل بن عمر بن كثير: تفسير ابن كثير، ص: ٣٣٥/ ١، تحقيق: حكمت بن بشير بن ياسين، ن: دار ابن الجوزي، ط: الأولى.

٤- سورة الرحمٰن، آية: ١، ٢

٥-سورة النساء، آية: ١٦٣

٦- أيضا

٧- الإمام أحمد بن حنبل (١٦٤- ٢٤١ هـ): مسند أحمد، ص: ٣٨٠/ ٣٨، رقم الحديث: ٢٣٣٥٧، ن: مؤسسة الرسالة، ط: الأولى، ١٤٢١ هـ- ٢٠٠١ م.

٨- أبو عبد الله محمد بن إسماعيل البخاري: صحيح البخاري، ص: ٤٤٩/ ٤، رقم الحديث: ٣٤٥٣، ن: دار التأصيل، ط: الأولى.

٩- سورة الإسراء، آية: ٧٠

١٠- الإمام البخاري: صحيح البخاري، ص: ٢٢/ ٨، رقم الحديث: ٦٠٠٤

١١- أبو عيسى محمد بن عيسى الترمذي (ت: ٢٧٩ هـ): سنن الترمذي، كتاب الزهد، ص: ١٥١/ ٤، رقم الحديث: ٢٣٢٣، ن: دار الغرب الإسلامي، ط: الأولى.

١٢- سورة الأعراف، آية: ٣٢